جسٹس تنزیل الرحمٰن کے چند اہم فیصلے

- ملک کی اعلیٰ عدالتیں منافی اسلام قوانین کو منسوخ کرنے کی مجاز ہیں۔
- سود حرام ہے، عدالتیں اس کی ادائیگی کے لیے ڈگری جاری نہیں کر سکتیں۔
- دستور، قرار دادِ مقاصد اور غیر شرعی قوانین و احکام کے متعلق بحثیں۔

مقدمہ (۱)
مبارکہ پراچہ بنام بنک آف اومان کیس
مقدمہ (۲)
ارشاد احمد خاں بنام مسز پروین اعجاز
مقدمہ (۳)
حبیب بنک بنام محمد حسین

اِن مقدمات کی صرف وہ ترجمہ شدہ تلخیصی رپورٹیں دی جا رہی ہیں، جنھیں جناب ضیاء الاسلام انصاری نے تیار کیا اور مشرق کے ۱۲ جولائی اور ۱۸ جولائی کے پرچوں میں شائع کیا۔

ہم موصوف اور اوراقِ مشرق کے شکر گزار ہیں۔ ترجمان القرآن اگست ۱۹۸۷ء پورا کتابت ہو چکا تھا اور پریس میں جانے والا تھا کہ ہم نے ان اہم مقدمات کی تلخیصی رپورٹوں کے لیے جگہ نکالی۔ ورنہ حق تو یہ تھا کہ پورا رسالہ فیصلوں پر مشتمل ہوتا۔

(ن ے رص)

مقدمہ نمبر ۱

سندھ ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ ملک کی تمام اعلیٰ عدالتیں اسلام کے منافی قوانین کو منسوخ کرنے کی مجاز ہیں۔ کیونکہ قرار دادِ مقاصد کو آئین کا حصہ قرار دینے کے بعد ان عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہو گیا ہے۔ سندھ ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن نے یہ تاریخی رولنگ کراچی کی ایک فرم ایسٹ ٹریڈنگ کمپنی کے خلاف بنک اومان لمیٹڈ کے دعوے کے سلسلے میں ایک خاتون مسز مبارکہ پراچہ کی درخواست پر دی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ آئینِ پاکستان کی دفعہ ۲ اے کے تحت قرار دادِ مقاصد کو آئین کا حصہ بنانے اور قابلِ نفاذ قرار دینے کے بعد اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ وہ کسی بھی قانون کو جو قرآن اور سنتِ نبویؐ کے منافی ہو، منسوخ کر دیں یا کالعدم قرار دے دیں۔ فاضل جج نے قرار دیا ہے کہ قرار دادِ مقاصد پاکستان کے قوانین کو اسلامی بنانے کے معاملہ میں قوانین کی اسلامی نوعیت کو جانچنے کے لیے آئینی کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ ٹرانسفر آف پراپرٹی ایکٹ کی دفعہ ۵۸ (الف) قرآن و سنت کے منافی ہے۔ فاضل جسٹس تنزیل الرحمٰن نے اس مقدمہ میں فریقین کے وکلا کے علاوہ ممتاز قانون دان مسٹر خالد اسحاق اور پاکستان کے اٹارنی جنرل مسٹر علی احمد فضیل کو بھی عدالتی مشیر کے طور پر طلب کیا اور ان کے دلائل سنے۔

* فاضل جج مسٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن نے ۱۰۲ صفحات پر مشتمل اپنے فیصلے میں مختلف اعلیٰ عدالتوں

بشمول وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلوں سے استفادہ کرتے ہوئے اور ان فیصلوں کے حوالے دیتے ہوئے یہ قرار دیا کہ قرارداد مقاصد کو آئین کا قابلِ نفاذ حصہ قرار دیئے جانے کی وجہ سے پاکستان میں نافذ قوانین کو شریعتِ اسلامی یعنی قرآن وسنّت کے منافی ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دینے کے معاملے میں اعلیٰ عدالتوں کے اختیار کی بابت ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۵ء تک قرارداد مقاصد آئین میں تمہید کے طور پر درج تھی جب کہ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء سے اسے آئین کے آرٹیکل ۲ اے کے تحت آئین کا قابلِ نفاذ حصہ بنا دیا گیا ہے۔ فاضل جج نے اس تبدیلی کے بعد قرارداد مقاصد کو قوانین کے شریعت کے مطابق یا قرآن وسنّت کے منافی ہونے کا جائزہ لینے کے بارے میں کسوٹی قرار دیتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اعلیٰ عدالتیں آئین کی پابند ہیں اور کوئی بھی قانون جو آئین کے منافی ہو ناجائز، بے اثر اور لائقِ تنسیخ ہے۔ قرارداد مقاصد کے اصول اور دفعات آئین کی دفعہ ۲ اے کے تحت اب آئین کا حصہ اور عدالتوں کے ذریعے قابلِ نفاذ ہیں لہٰذا کوئی قانون اور خود آئین کا کوئی حصہ اگر قرارداد مقاصد کے منافی ہو تو اعلیٰ عدالتیں اسے بھی ناجائز اور منسوخ قرار دے سکتی ہیں۔ تاہم یہ اختیار آئین کی دفعات ۲۰۳ اے، بی، ۲۰۳ ڈی اور ۲۰۳ جی کے تابع ہے، جن کے تحت وفاقی شرعی عدالت کو یہ خصوصی دائرۂ اختیار تفویض کیا گیا ہے کہ وہ دفعہ ۲۰۳ بی (سی)، ۲۰۳ جی کے مفہوم کے مطابق کسی قانون کو اسلامی اصولوں یعنی قرآن کریم اور سنّتِ رسولؐ کے منافی قرار دے۔

فاضل جج نے اس ضمن میں اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ میرے سامنے جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ ٹرانسفر آف پراپرٹی ایکٹ ۱۸۸۲ء کی دفعہ ۵۸-الیف کے تحت رہن کے ایک معاہدے سے تعلق رکھتا ہے جس کا جائزہ قرارداد مقاصد کے اصولوں کی روشنی میں لینا ضروری ہے۔ فاضل جج نے وفاقی شرعی عدالت کے ایک فیصلے کا حوالہ دیا ہے جس میں وفاقی شرعی عدالت یہ قرار دے چکی ہے کہ اس قانون میں ماسوائے ان دفعات کے جن کا تعلق سود کے معاملے سے ہے، کوئی اور دفعہ قرآن وسنّت کے منافی نہیں۔ لہٰذا میں اس فیصلے کا پابند ہوں تاہم رہن کے معاملات میں جن پر اسلامی نقطہ نظر سے، اس فیصلے کے دوسرے حصے میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، میں اس کے برعکس نتیجے پر پہنچا ہوں اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ ٹرانسفر آف پراپرٹی ایکٹ ۱۸۸۲ء کی

دفعہ ۵۸ الف قرآن وسنت کے احکام کے منافی ہے ۔ فاضل وفاقی شرعی عدالت اگر چاہے تو اسے اس بارے میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت کا جائزہ لینا چاہیے ۔

فاضل جج نے اپنے اس تاریخی فیصلے کے آخری پیراگراف میں لکھا ہے کہ درخواست زیر بحث کی سماعت کے دوران آخری مرحلے پر یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ بنکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈی نینس ۱۹۷۹ء بھی غیر اسلامی ہے اور اس عدالت کو چاہیے کہ اس قانون کو منسوخ اور کالعدم قرار دے ۔ مسٹر خالد ایم اسحاق ایڈووکیٹ اور مسٹر محمد علی سید ایڈووکیٹ نے اس موضوع پر جو دلائل پیش کیے ہیں ، ان میں خاصا وزن ہے لیکن اس معاملے کا جائزہ مقدمے کی باقاعدہ سماعت کے دوران لینا مناسب ہوگا ۔ اس وقت میں صرف سی پی سی کے آرڈر ۳۷ رولز ۳ کے تحت درخواست پر فیصلہ دے رہا ہوں ۔

فاضل جج نے اس درخواست کی سماعت کے دوران مدعی بنک آف اومان کے وکیل مسٹر حبیب الرحمٰن بار ایٹ لا ، درخواست دہندہ مسز مبارکہ پراچہ کے وکیل مسٹر محمد علی سید ایڈووکیٹ کے دلائل سننے کے علاوہ عدالت کے مشیر کے طور پر آئینی امور اور قانون کے ممتاز ماہر مسٹر خالد ایم اسحاق ایڈووکیٹ اور اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر علی احمد فضیل کو بھی دلائل پیش کرنے کی دعوت دی تھی ۔ ان فاضل وکلاء کے دلائل اور اس دوران اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے حوالہ جات اور اسلامی قوانین اور فقہ کے اصولوں کے بارے میں ائمہ کرام ، فقہا ، مفسرین قرآن کی مستند تصانیف سے مفصل اور طویل حوالہ جات فاضل جج نے اپنے فیصلے میں نقل کیے ہیں ۔ ان کے ساتھ قرآن کریم کی متعلقہ آیات اور احادیث نبویؐ کے حوالوں سے فاضل جج نے اس امر پر فیصلہ کن بحث کی ہے کہ اسلام لین دین بالخصوص قرضے کے معاملے میں املاک یا جائیداد کو رہن رکھنے کی اجازت کن حالات میں اور کن شرائط کے تحت دیتا ہے ۔ اور ٹرانسفر آف پراپرٹی ایکٹ کے تحت رہن کی کیا نوعیت اور شرائط ہیں ۔ اور زیر بحث مقدمے میں معاہدہ رہن کی کیا صورت ہے ۔

فاضل جج نے اس سلسلے میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام میں رہن کی اجازت رہن رکھی جانے والی املاک کا قبضہ مرتہن کو دیئے جانے سے مشروط ہے ۔ یعنی اسلام رہن بلاقبضہ کی اجازت نہیں دیتا جب کہ مقدمہ سماعت میں جائیداد کی بجائے اس کے کاغذات ملکیت مرتہن کے حوالے کیے

گئے ہیں اور اسی ضمن میں فاضل جج نے ٹرانسفر آف پراپرٹی ایکٹ کی دفعہ ۵۸ الیف کے قرآن و سنت کے منافی ہونے کے مسئلے کا جائزہ لیا ہے۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ کا ایک تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ آئینِ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا جو اقرار کیا گیا ہے اور اس کے تحت یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآنِ حکیم اور سنتِ نبویؐ کی روشنی میں اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ اس عہد کے مطابق جو قرارداد مقاصد کی شکل میں مجلسِ دستور ساز نے مارچ ۱۹۴۹ء میں منظور کی تھی۔ یہ قرار دیا گیا کہ مملکتِ پاکستان اپنے اختیار و اقتدار کو جو اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کے تحت اسے تفویض ہوئے ہیں عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔ اسی قرارداد میں ماسوائے دوسرے اصولوں کے، یہ بات بھی شامل ہے کہ عدلیہ مکمل طور پر آزاد ہوگی۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ قرارداد مقاصد کی منظوری تاریخِ پاکستان میں ایک سنگِ میل اور زریں باب کے آغاز کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے پاکستان کی نظریاتی بنیاد رکھی گئی۔ اس قرارداد کی روشنی میں مارچ ۱۹۵۶ء کے آئین کے باب ایک پیراگراف ۱۲ کے تحت دفعہ ۱۹۸ (۱) میں یہ درج کیا گیا ہے کہ کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکے گا جو قرآن و سنت کے متعین کردہ اسلامی اصولوں کے منافی ہو۔ اور تمام موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

فاضل جج نے بعد میں ہونے والی تبدیلیوں اور آئینی اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے ان تمام فیصلوں اور اقدامات کا ذکر کیا ہے جو قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کے سلسلے میں مختلف حکومتوں کے دور میں کیے جاتے رہے۔ ان میں اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کا قیام بھی شامل ہے۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے کے پیراگراف ۳۵ میں صدر ضیاء الحق کے صدارتی حکم نمبر ۱۴ کا حوالہ دیا ہے، جس کے ذریعے ہی ایک نئی دفعہ ۲ الف کا اضافہ (۲ مارچ ۱۹۸۵ء سے اطلاق) کیا گیا۔ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ قراردادِ مقاصد کے اصول اور اس کی دفعات کو جیسا کہ ضمیمے میں درج کی گئی ہیں آئین کا بنیادی حصہ بنایا جاتا ہے اور اسی کے مطابق ان کا اثر اور نفاذ ہوگا۔ بعد ازاں فاضل جج نے آئین کی ان دفعات کا جائزہ لیا ہے جن کا تعلق قوانین کو اسلام کے منافی قرار دینے اور اسلام کے منافی قوانین کو کالعدم اور منسوخ کرنے کے طریقہ کار سے ہے۔ ان دفعات

اور طریقۂ کار کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے خصوصی اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے ان حدود و قیود کو بیان کیا ہے جو وفاقی شرعی عدالت کے لیے بعض قوانین کو غیر اسلامی یا قرآن و سنت کے منافی قرار دینے کی راہ میں حائل ہیں۔ اس میں آئین کی دفعہ ۲۰۳ ڈی بھی شامل ہے، جو وفاقی شرعی عدالت کو خصوصی دائرہ اختیار عطا کرتے ہوئے یہ واضح کرتی ہے کہ وفاقی شرعی عدالت آئینِ پاکستان مسلم پرسنل لا اور آئین کی دفعہ ۳۔ اے کے نفاذ کے دس سال کے عرصے تک کسی مالیاتی قانون اور ٹیکس اور محصولات عاید اور وصول کرنے سے متعلق قانون اور بنکنگ اور انشورنس سے متعلق قانون اور مروجہ طریقۂ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکے گی۔

فاضل جج نے لکھا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت ان پابندیوں کے باوصف اگر کسی قانون کو قرآن و سنّت کے منافی قرار دے دے تو اس کے فیصلے کی تاریخ سے وہ قانون منسوخ، کالعدم یا غیر مؤثر ہو جائے گا۔ لیکن شرعی عدالت آئین کے تحت ایسے قانون یا اس کے کسی غیر اسلامی حصے کی جگہ متبادل قانون بنانے کی مجاز یا مکلف نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مسلّمہ آئینی اور جمہوری اُصولوں کے مطابق قانون سازی کرنا عدالتوں کا کام ہے بھی نہیں۔ شرعی عدالت کی اس پوزیشن کی مثال یوں ہے کہ فرض کیجیے کہ عدالت تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۰۲ کو قرآن و سنّت کے منافی قرار دے دے اور فیصلہ کر دے کہ قتل کا جرم اسلامی اُصولوں کے مطابق قابلِ صلح نامہ ہے۔ اس لیے یہ دفعہ قرآن و سنت کے منافی ہے تو عدالت اس فیصلے کے بعد قصاص اور دیّت کا اسلامی قانون وضع یا جاری یا نافذ نہیں کر سکتی۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ یہ اسکیم اس وقت بھی تھی۔ جب قراردادِ مقاصد کو آئین میں تمہید کی حیثیت حاصل تھی اور اب دفعہ ۲ اے کے تحت اسے آئین کا قابلِ نفاذ حصہ قرار دے دیا گیا ہے۔ تب بھی آئین کی متعدد دفعات کی روشنی میں یہی صورتِ حال موجود نظر آتی ہے۔ فاضل جج نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ قوانین کو غیر اسلامی قرار دے کر منسوخ کرنے اور ان کی جگہ اسلام کے مطابق قانون وضع یا نافذ کرنے کے معاملے میں جو خلا نظر آتا ہے، کیا عدالتیں اُسے پورا کر سکتی ہیں یا اعلیٰ عدالتیں کسی ایسی آئینی دفعہ کو جو خود قراردادِ مقاصد کے منافی ہے یا اس کے نفاذ کی راہ میں حائل ہے، خلاف یا ناجائز اور منسوخ قرار دے سکتی ہیں۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ جہاں تک میری عدالت کا تعلق ہے نہ تو یہ سوال میرے سامنے اُٹھایا گیا ہے اور نہ ہی میرے خیال میں مجھے اس پر فیصلہ دینے

کی کوئی ضرورت ہے۔ فی الحال میں ہائی کورٹ کی اوریجنل سائیڈ پر ایک دعویٰ کی سماعت کر رہا ہوں، جس کا تعلق بنکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈی ننس ۱۹۷۹ء کے بارے میں عدالت کے دائرہ اختیار سے ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر دستور سازوں نے قرارداد مقاصد پر عمل درآمد کے سلسلے میں آئینی خلا کو پُر کرنے کا کوئی طریقہ تجویز نہیں کیا تو کیا عدالتیں اس خلا کو پُر کر سکتی ہیں۔ میرے خیال میں ایسا کرنا عدالتوں کی طرف سے آئین کی تشریح کے پردے میں قانون سازی کے اختیارات کے ناجائز استعمال کے مترادف ہوگا۔

فاضل جج نے مقدمہ حاجی نظام خان بنام ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج میں لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس محمد افضل ظلہ (اب سپریم کورٹ کے جج) کے ایک فیصلے کا حوالہ دیا ہے، جس میں قرار دیا گیا ہے کہ موجودہ آئینی نظام کے تحت ہمارا آئین عدالتوں سے بعض شعبوں میں اسلامی اُصولوں کے نفاذ کا تقاضا کرتا ہے۔ اور بعض شعبوں میں ان کے استعمال اور اختیار کو محدود کرتا ہے۔ آئین کے تحت یہ بات کہ تمام قوانین کو اسلامی اُصولوں کے مطابق بنایا جائے گا اور یہ کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہ بنایا جائے آئین کے دفعہ ۲۲۷ II کے تحت ہی روبہ عمل لائی جا سکتی ہے جس کے لیے اسلامی نظریے کی کونسل قائم کی گئی ہے۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عدالتوں سے مطالبہ کرے کہ وہ قوانین کو اسلام کے مطابق بنائیں اس لیے کہ انہیں ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ موجودہ قوانین جیسے کچھ بھی ہیں ان کو نافذ کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر ضابطہ تعزیرات پاکستان میں غیر اسلامی دفعات موجود ہیں۔ لیکن عدالتیں محض اس بنا پر ان کو نافذ کرنے یا ان پر عمل کرنے سے انکار نہیں کر سکتیں کہ یہ دفعات اسلامی اُصولوں کے منافی ہیں۔

فاضل جسٹس تنزیل الرحمن نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۶۸ (۶) کی قانونی پوزیشن جیسا کہ مسٹر جسٹس ظلہ کے مندرجہ بالا فیصلے میں بیان کی گئی ہے۔ اب تبدیل ہو چکی ہے۔ آئین کی دفعہ ۲ اے کے ذریعہ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دینے سے اعلیٰ عدالتیں نہ صرف اس بات کی مجاز ہو گئی ہیں۔ بلکہ اُن پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں جیسا کہ آئین تقاضا کرتا ہے، موجودہ قوانین کے قرآن و سنت کے منافی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کریں ما سوائے اس کے کہ کوئی قانون خصوصی طور پر وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں آتا ہو۔ فاضل جج نے مزید لکھا

ہے کہ اس معاملے میں مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ اور مسٹر محمد علی سید ایڈووکیٹ نے یہ واضح کیا کہ وفاقی شرعی عدالت اگر کسی قانون کو قرآن اور سنّت کے منافی قرار بھی دے دے تو وہ اس قانون کے نفاذ سے متاثر اور عدالت میں آنے والے فریق کو کوئی سہولت، رعایت یا فیض نہیں پہنچا سکتی۔

فاضل جج نے اس مسئلہ پر وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس گل محمد کے ایک مقالے سے طویل اقتباسات پیش کئے ہیں، جو انہوں نے پانچویں جیورسٹ کانفرنس مارچ ۱۹۸۶ء منعقدہ کراچی میں پڑھا تھا۔ اس مقالے کے متعلقہ حصوں اور دیگر اعلیٰ عدالتوں کے چند فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے فاضل جج نے مسٹر جسٹس گل محمد کے مقالے کے اس حصے پر بحث کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دفعہ ۲ اے کے تحت قرارداد مقاصد کو قابلِ نفاذ قرار دینے کا منطقی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ عدالتیں اس کے تحت انصاف طلب کرنے والوں کو انصاف بھی دے سکیں، جب کہ وفاقی شرعی عدالت بعض صورتوں میں جن کا پہلے ذکر آچکا ہے ایسا اختیار نہیں رکھتی۔ (آئینی قوانین، مالیاتی امور، سود، بنکنگ اور انشورنس سے متعلق قوانین وغیرہ وغیرہ)

جسٹس گل محمد کا کہنا ہے کہ اگر اللہ کی حاکمیت کو نافذ ہونا ہے جیسا کہ قرارداد مقاصد اور آرٹیکل ۲ اے کا تقاضا ہے تو ان سے مستثنیٰ قوانین کے معاملے میں بھی عدالتوں سے رجوع کرنے والوں کو فیصلہ اور انصاف ملنا چاہیے۔ آرٹیکل ۱۹۹ کے تحت اعلیٰ عدالتیں اس بات کی مجاز ہیں کہ کسی درخواست دہندہ یا فریق متاثرہ کی درخواست پر کسی سرکاری افسر یا حاکم کو کوئی ایسا کام کرنے سے باز رہنے کا حکم جاری کریں، جو قانون کے مطابق اُسے نہیں کرنا چاہیے۔ یا کسی ایسے فعل یا اقدام کے خلاف جو قانون کے منافی ہو، درخواست دہندہ کو فوری یا عارضی تحفظ، سہولت یا مفاد فراہم کریں، منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی مجلسِ قانون ساز کا بنایا ہوا کوئی قانون اللہ کی حاکمیت کے تصور یعنی قرآن و سنّت کے احکام کے منافی ہو تو اُس کو ناجائز اور غیر قانونی قرار دے دیا جائے، جب کہ وفاقی شرعی عدالت صرف ایک محدود دائرے میں یہ کام کر سکتی ہے اور کسی کو رعایت بھی نہیں دے سکتی، جب کہ اس کے برعکس ہائی کورٹوں کے دائرہ اختیار میں ماسوائے مسلح افواج کے ایسا کوئی استثنا نہیں ہے اور وہ عدالت سے رجوع کرنے والے کو رعایت، سہولت یا مفاد بھی دے سکتی ہیں۔ اس لیے موجودہ صورت میں اعلیٰ عدالتیں نہ صرف کسی قانون کو غیر اسلامی قرار دینے کی مجاز ہیں، بلکہ عارضی یا مستقل ریلیف بھی دے سکتی ہیں۔

دریں حالات وفاقی شرعی عدالت کے ذریعے فیصلوں کے نظام کو ناکافی سمجھتے ہوئے لوگوں کو یہ حق دیا جانا چاہیے کہ وہ شریعت پٹیشن جیسے معاملات کو بھی عام رٹ پٹیشن کی شکل میں ہائی کورٹ کے سامنے لے جاسکیں۔

فاضل جج نے مزید لکھا ہے کہ اٹارنی جنرل نے اس بحث میں سندھ ہائی کورٹ کے فل بنچ کے ایک فیصلہ کا حوالہ دیا ہے جو محمد یحییٰ میمن بنام گورنمنٹ آف سندھ مقدمہ میں دیا گیا ہے۔ میں نے رجسٹرار کے دفتر سے اس فیصلہ کی نقل منگوا کر اس کا مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فاضل اٹارنی جنرل معاملہ کو موثر طور پر سامنے نہیں لا سکے۔ بہرحال مطلب یہ تھا کہ آئین کی دفعات کو قرارداد مقاصد کی کسوٹی پر پرکھا نہیں جاسکتا۔ اس فیصلہ میں جس کا اصل فیصلہ فاضل جسٹس محمد ظہور الحق نے لکھا ہے اور اس سے جسٹس چودھری عبدالقدیر نے اتفاق کیا ہے۔ لیکن اس فیصلہ میں دفعہ ۲ اے کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ فاضل چیف جسٹس اور مسٹر جسٹس علی مدد شاہ اور جسٹس حیدر علی پیرزادہ کے فیصلہ میں دفعہ ۲ اے کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ ذکر دوسرے پس منظر میں آیا ہے۔ یعنی یہ کہ آئین کی ایک دفعہ (۲۷۰ اے) میں ترمیم کو ایک اور دفعہ ۲ اے کے ذریعے نہیں پرکھا جاسکتا۔ لیکن یہ مسئلہ میرے سامنے زیر بحث مسئلہ کے متعلق نہیں ہے۔

فاضل جج نے اس بحث اور تنقیحات کی روشنی میں درخواست زیر بحث پر یہ فیصلہ دیا کہ درخواست دہندہ مسز مبارکہ پراچہ کے بنگلہ کو جس کی مالیت سات لاکھ روپے دستاویزات بنک آف اومان کے سپرد کرتے کے وقت تھی، ستر لاکھ روپے کے قرضہ کی ضمانتوں میں سے خارج کر دیا۔ جیسا کہ وہ اپنے فیصلہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام رہن بلاقبضہ کی اجازت نہیں دیتا۔ اور اس قرضہ سے متعلق ٹرانسفر آف پراپرٹی ایکٹ کی دفعہ ۵۸ ایف کو بھی انہوں نے قرآن و سنت کے منافی قرار دے۔

مقدمہ ۲، ۳

سندھ ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن نے جو قبل ازیں بنک آف اومان بنام ایسٹ ٹریڈنگ کمپنی کے مقدمہ میں مسز مبارکہ پراچہ کی درخواست پر یہ تاریخی فیصلہ دے چکے ہیں کہ اعلیٰ عدالتیں آئین کی دفعہ ۲ اے اور قرارداد مقاصد کے تحت قرآن و سنت کے منافی کسی بھی قانون کو کالعدم اور منسوخ قرار دے سکتی ہیں۔

اب دو الگ الگ مقدمات کے فیصلوں میں قرآن کی رو سے سود کے حرام ہونے کی بنا پر قابلِ بیع دستاویزات یعنی پرومزری نوٹ بل آف ایکسچینج وغیرہ سے متعلق قانون نیگوشی ایبل انسٹرومنٹ ایکٹ ۱۸۸۱ء کی دفعات ۸۰، ۷۹ اور ضابطہ دیوانی کی دفعہ ۳۴، آرڈر نمبر ۳۷ کی دفعہ ۲ کو قرآن وسنت کے منافی قرار دیتے ہوئے کالعدم کر دیا ہے۔ ان دفعات کی رو سے عدالتیں قرضوں پر سود کی ادائیگی اور سود کا تعین کرنے سے متعلق احکامات صادر کرتی ہیں۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ یہ قوانین اور ان کی متعلقہ دفعات نہ صرف قرار دادِ مقاصد کی زد میں آتی ہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کو قرآن وسنت کے عین مطابق زندگی بسر کرنے سے روکتی ہیں۔ اس لیے یہ عدالت ان قوانین کے تحت ایسا کوئی فیصلہ اور حکم جاری نہیں کر سکتی جو اُن کے نفاذ اور ان پر عمل درآمد سے تعلق رکھتا ہو۔ فاضل جج نے ان تنقیحات قانونی کی بنا پر مقدمہ ارشاد احمد خان بنام مسز پروین اعجاز میں ایک لاکھ نوّے ہزار کی قابلِ وصول اصل رقم جمع پندرہ فیصد سود کی ادائیگی کے دعوے کو صرف اصل زر کی حد تک منظور کیا ہے اور سود کی رقم کو جس کا ذکر پرومزری نوٹ میں درج تھا، قرآن وسنت کے منافی ہوتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔ سود کی حرمت کے متعلق قرآن کریم کی آیات، احادیثِ نبوی اور مفسرینِ قرآن کے حوالہ جات کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں فاضل جج نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سود کے متعلق ارشاداتِ ربّانی میں آخری اور واضح ارشاد یہ ہے کہ اگر تم سود کو معاف نہیں کرتے جو ماضی کے معاہدوں سے تمہارے حق میں بن گیا ہے اور آئندہ کے لیے اس کو ترک نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اس کے بعد پھر ایک مشورہ قرآن میں آیا کہ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ صرف اصل زر کی وصولی پر اکتفا کرو اور پھر یہ انتباہ ہے کہ ہر شخص کو بالآخر یومِ حساب اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اور تب اُسے وہی کچھ ملے گا جو اُس نے دُنیا میں کمایا ہے۔

فاضل جج نے اس امر پر بھی بحث کی ہے کہ بعض لوگ سود مفرد کو ربٰو نہیں سمجھتے اور صرف سود مرکب کو ربٰوا کی زد میں قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے یہ دلیل دی ہے کہ قرآنِ کریم نے جب یہ کہا (سورہ مائدہ ۴۴-۵) "میری آیات کا معمولی معاوضہ پر سودا نہ کرو" تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ بھاری یا زیادہ معاوضہ پر سودا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، یہ تو اندازِ بیان کی بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان کو ساری دُنیا بھی آیاتِ قرآنی فروخت کرنے کے

عوض پیش کی جائے تو وہ بھی کم ہوگی - اور اسے یہ سودا نہیں کرنا چاہیے - اس لیے سود کے معاملے میں الفاظ اضعافاً مضاعفۃ صرف اس وقت عالمِ عرب میں نافذ سودی نظام کے ذریعے دولت میں اضافے کی بے پناہ شرح کی شدت کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں ۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ ربوٰا کا لفظ سود کے لیے قرآن میں ایک عمومی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ۔

فاضل جج نے بعد ازاں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور مختلف عدالتوں کے فیصلوں میں اس موضوع پر کی گئی بحث اور قرارداد مقاصد کو قابلِ نفاذ بنائے جانے کے اثرات سے متعلق خود اپنے سابقہ فیصلے مقدمہ بنک آف اومان بنام ایسٹ ٹریڈنگ کمپنی کے حوالہ سے یہ قرار دیا ہے کہ نیگوشی ایبل انسٹرومنٹ ایکٹ ۱۸۸۱ء کی دفعات ۸۰، ۷۹ اور ضابطہ دیوانی کی دفعہ ۱۳۴ اور حکم نمبر ۳۷ کی دفعہ ۲ جہاں تک ان کا تعلق قرضہ کے طور پر دی گئی کسی رقم پر سود کی وصولی کے مطالبہ سے ہے - قرآن و سنت کے منافی اور قرارداد مقاصد کی دفعہ ۳ اور آئین کی دفعہ ۲ اے کے تحت ناجائز اور کالعدم ہیں - کیونکہ مذکورہ قوانین اور دفعاتِ پاکستان کے مسلمانوں کو سود کے معاملہ کی حد تک قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکتے ہیں ۔ لہٰذا مذکورہ بالا قوانین اور ان کی متذکرہ دفعات کو یہ عدالت اپنے فیصلہ اور حکم کے ذریعے نافذ نہیں کر سکتی ۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ میں آئین کی دفعہ نمبر ۱۸۹ کو بخوبی سمجھتا ہوں اور یہ بات میرے ذہن میں ہے کہ فاضل سپریم کورٹ کے فیصلے پاکستان کی عدالتوں کے لیے لائقِ تعمیل ہیں ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں آئین کی دفعہ ۲ اے کے تقاضوں کا بھی پابند ہوں - اور چونکہ میں یہ قرار دے چکا ہوں کہ قرارداد مقاصد اور دفعہ ۲ اے ایک بنیادی قانون بلکہ ما فوق الآئین دستاویز ہے - اس لیے یہ دفعہ ۱۸۹ پر بھی حاوی ہے - اور ان فیصلوں پر بھی جو فاضل سپریم کورٹ نے دفعہ ۲ اے کے آئین میں شامل کیے جانے سے پہلے دیئے تھے یا جن میں اس حقیقت پر غور نہیں کیا گیا - ان کے بارے میں بصد ادب و احترام میری یہ ناچیز رائے ہے کہ وہ فیصلے بھی دفعہ ۲ اے کے تقاضوں کے تابع ہیں ۔

دوسرا مقدمہ حبیب بنک بنام محمد حسین حبیب بنک کی طرف سے دیئے گئے دس لاکھ کے قرضے پر اصل زر کے علاوہ تقریباً نو لاکھ روپے سود کی وصولی کا دعویٰ کیا گیا ہے جس کے فیصلے میں فاضل جج نے جزوی طور پر سود کی ادائیگی کی ڈگری جاری کرنے سے انکار کرتے ہوئے سندھ ہائی کورٹ

کے فل بنچ کے ایک فیصلے کی بنا پر بنکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈی ننس ۱۹۷۹ء کو کالعدم قرار دینے کے معاملے میں دائرہ اختیار کی تحدید کی بنا پر اپنی بے بسی اور معذوری کا اظہار کیا ہے۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۷۰ اے جو اتفاق سے قرارداد مقاصد کو قابلِ نفاذ قرار دینے والی دفعہ ۲ اے کے ساتھ ایک ہی تاریخ میں آئین کا حصہ بنائی گئی ہے۔ اس دفعہ ۲۷۰ اے کے تحت بنکنگ کمپنیز آرڈی ننس کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے جیسے سندھ ہائی کورٹ نے بھی مقدمہ محمد یحییٰ میمن بنام حکومت سندھ (پی ایل ڈی ۱۹۸۷ء، ص ۲۶۶) کے فیصلے میں تسلیم کیا ہے، اس لیے کہ وہ عدالتِ عالیہ کے اس حکم کے پابند ہیں۔ تاہم انہوں نے یہ قرار دیا ہے کہ دفعہ ۲ اے کے نفاذ یعنی ۲ مارچ ۱۹۸۵ء سے مقدمہ زیر بحث کے اندراج کی تاریخ یعنی ۳ جولائی ۱۹۸۶ء تک ایک قانونی نکتہ کی بنا پر سود کی ادائیگی کا کوئی جواز نہیں اس لیے انہوں نے تقریباً ۵ لاکھ روپے کی حد تک سود کی ادائیگی کے مطالبہ کو قرآن و سنت کے منافی ہونے کی بنا پر اور قرارداد مقاصد کی زد میں آنے کی بنا پر مسترد کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ میں بادل ناخواستہ اس کے قبل کے عرصے کے سود کی ادائیگی کے بارے میں مدعی حبیب بنک کے حق میں حکم جاری کر رہا ہوں۔

فاضل جج نے جس طرح کے سود کو ناجائز قرار دینے کے معاملے میں بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ادائیگی کا حکم جاری کیا ہے اس کے سود کی رقم تقریباً ۴ لاکھ روپے بنتی ہے اور چونکہ مدعا علیہ پہلے ہی مختلف مواقع پر اتنی رقم کی ادائیگی کر چکا ہے اس لیے دس لاکھ روپے اصل زر کی ادائیگی کے لیے ڈگری بمع اخراجات مقدمہ جاری کی جاتی ہے۔ اور اس رقم کی وصولی کے لیے مدعی کو حق ہوگا کہ ضمانت کے طور پر پیش کی گئی جائیداد کی فروخت سے رقم حاصل کرے۔

فاضل جج نے اس معاملہ میں دائرہ اختیار کی بنا پر اپنی جس بے بسی کا اظہار کیا ہے اس کی مثال کے طور پر اپنے تفصیلی فیصلے میں دلائل کے طور پر آزاد جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کا بھی حوالہ دیا ہے، جو سردار عبدالرزاق بنام حکومت آزاد جموں و کشمیر (پی ایل ڈی ۸۶ ص ۱۸۵ اے جے کے) نامی مقدمہ میں مسٹر جسٹس محمد اکرم خاں نے دیا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم کی آیات سورۃ بقرہ ۲۷۸-۲۷۹ کا حوالہ دیا ہے۔ فاضل جسٹس محمد اکرم خاں نے لکھا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اتنا واضح ہے کہ اس کے بعد کسی شکل میں بھی سود کے لین دین کی گنجائش باقی نہیں

رہتی۔ لہٰذا ہم سود کی رقم (محکمہ امداد باہمی) کو دلانے سے اجتناب کریں گے۔ اس بارے میں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلانِ جنگ کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے۔ محکمہ امداد باہمی کو چاہیے کہ وہ قرضِ حسنہ سمجھ کر صرف اصل زر ہی وصول کرے۔ ہم محکمہ کو ۳۰۲ روپے کا سود بادل ناخواستہ دلاتے ہیں۔ کیونکہ ثالث نے فیصلہ دیا ہے ورنہ یہ رقم بھی منافع نہیں۔ (دستاویزات میں افیصلہ کا ذکر تھا)

فاضل جسٹس محمد اکرام اللہ خان نے لکھا ہے کہ اگرچہ آزاد کشمیر میں احترامِ رمضان ایکٹ، زکوٰۃ ایکٹ اور اسلامی تعزیرات ایکٹ وغیرہ نافذ ہو چکے ہیں، اور یہ سارے قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہیں۔ لیکن کنٹریکٹ ایکٹ بھی موجود ہے اور اسے ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں کیا گیا۔ اور ربوا کی ممانعت کے بارے میں ابھی تک کوئی قانون نافذ نہیں کیا گیا۔ اس لیے ہم مدعا علیہ کے وکیل کی اس دلیل سے اتفاق کرنے سے معذور ہیں کہ آزاد کشمیر میں سود کی وصولی کی ممانعت کا قانون موجود ہے۔ عدالتِ عظمیٰ آزاد کشمیر کا فیصلہ عدالت عالیہ کے لیے لائق تعمیل ہے۔ اور عدالتِ عظمیٰ پاکستان نے بھی یہی قرار دیا ہے کہ جب تک مجلسِ قانون ساز کی طرف سے کوئی قانون پاس ہو کر نہ آجائے، عدالتیں از خود کسی قانون کو خلافِ شریعت قرار نہیں دے سکتیں۔

فاضل جسٹس تنزیل الرحمٰن نے نیگوشی ایبل انسٹرومنٹ ایکٹ کی دفعہ ۸۰۔۷۹ اور ضابطہ دیوانی کی دفعہ ۳۴ اور حکم نمبر ۳۷ کی دفعہ ۲ کو قرآن و سنت کے منافی قرار دینے اور منسوخ کرنے کا فیصلہ ۱۱ رجون ۸۷ء کو سنایا تھا اور اسے قانونی حوالہ کے طور پر اشاعت کے لیے ۱۱ رجون کو جاری کیا گیا۔

دوسرا فیصلہ مقدمہ حبیب بنک بنام محمد حسین مقدمہ نمبر ۴۶۰ - ۱۹۸۵ء میں فاضل جج نے اپنا فیصلہ ۳۰ رجون ۸۷ء کو سنایا ہے اور اسے بھی قانونی حوالہ کے طور پر اشاعت کے لیے منظور کیا ہے۔ جس کے ذریعے انہوں نے آئین کی دفعہ ۲۷۰ اے کے تحت سندھ ہائی کورٹ فل بنچ کے فیصلے کی روشنی میں بنکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈی نینس ۱۹۷۹ء کو کالعدم اور قرآن و سنت کے منافی قرار دینے سے معذوری اور بے بسی کا اظہار کیا ہے۔

فاضل جج نے قانونِ سود یعنی انٹرسٹ ایکٹ ۱۸۳۹ء کو بھی قرآن و سنت کے منافی ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دیا ہے۔ اس معاملہ میں عدالت کے دائرہ اختیار سے بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۰۳ بی کے مطابق کوئی عدالت بشمول سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ ان معاملات میں

اختیاراتِ سماعت نہیں رکھتی، جو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں دیئے گئے ہیں۔ اور جیسا کہ خود شرعی عدالت نے متعدد فیصلوں میں خود قرار دیا ہے کہ مالیاتی قوانین اس عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، لہٰذا عام دائرۂ اختیار کی تمام عدالتیں ان تمام معاملات میں جو شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں سماعت اور فیصلہ کا اختیار استعمال نہیں کر سکتی ہیں۔

اس بحث میں فاضل جج نے وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس گل محمد کے اس مقالے کا حوالہ جو انہوں نے پانچویں جیورسٹ کانفرنس منعقدہ کراچی مارچ ۸۶ء میں پڑھا تھا۔ اور پی ایل ڈی ۱۹۸۶ء ص ۲۴۹ میں شائع ہوا ہے، جس میں جسٹس گل محمد نے کہا" فیڈرل شریعت کورٹ صرف اپنے دائرہ اختیار کے معاملات میں قوانین کو اسلام کے منافی قرار دے سکتی ہے، لیکن درخواست دہندہ یا فریقین کو سہولت اور رعایت نہیں دے سکتی۔ جب کہ شریعت کورٹ کے برعکس ہائی کورٹوں کے لیے ماسوائے ملٹری قوانین کے اور کوئی استثنا نہیں ہے اور وہ فریقین مقدمہ کو ریلیف اور فوری ریلیف بھی فراہم کر سکتی ہے۔

لہٰذا ایسی صورت میں ہائی کورٹ نہ صرف قوانین کو اسلام کے منافی قرار دے سکتی ہیں، بلکہ درخواست دہندہ کو ریلیف بھی دے سکتی ہیں۔ لہٰذا شریعت کورٹ کے ذریعہ دادرسی ناکافی ہے۔ جب کہ فریقین ہر قسم کی رٹ اور شریعت پٹیشن بھی ہائی کورٹ میں لے جا سکتے ہیں۔ اس طرح مجوزہ نویں آئینی ترمیمی بل کی تمام اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے تو جو فائدہ حاصل ہو سکتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ شریعت کورٹ کو بھی ممنوعہ دائرہ میں اختیار سماعت دے دیا جائے۔ لیکن فریقین کو وہاں سے ریلیف تو پھر بھی نہ ملے گی اور انہیں بعد ازاں ریلیف کے لیے ہائی کورٹ میں جانا ہو گا۔

فاضل جج مسٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن نے آئین کی دفعہ ۲۷۰ اے کے ذریعے مارشل لا کے دور میں نافذ ہونے والے قوانین کو ملے ہوئے تحفظ کی بنا پر یہ فیصلہ دیا ہے کہ بینکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈیننس ۱۹۷۹ء کو قرار دادِ مقاصد کی روشنی میں منسوخ اور کالعدم قرار دینا ان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔

اس ضمن میں فاضل جج نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا ہماری پارلیمنٹ کو آئین کی دفعہ ۲ اے کے تحت عائد کردہ فرائض کی روشنی میں ایسے قوانین بنانے، ان کی توثیق کرنے، انہیں قبول کرنے اور جائز قرار

دینے کا اختیار ہے جو واضح طور پر اللہ کی حاکمیت اور قرآن و سنت کی بالادستی کے منافی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے تو کیا پھر ہماری پارلیمنٹ خلاف وضع فطری فعل کی اجازت دینے یا حرام کاری کو جائز قرار دینے یا نکاح اور شادی کے بغیر تعلقات زن وشو کو درست فعل قرار دینے کے لیے قانون بنا سکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر آخر پارلیمنٹ کس طرح بنکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈی ننس ۱۹۷۹ء جیسے قانون یا اگر آرڈی ننس نمبر ۵۹ آف ۱۹۸۰ء کو جواز کی سند اور توثیق عطا کر سکتی ہے، جو عدالت کو سود کی ادائیگی کا حکم جاری کرنے کا پابند بناتے ہیں، حالانکہ قرآن و سنت کی رُو سے سود قطعاً حرام ہے اور جو اس کے لین دین سے اجتناب نہیں کرتے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے اعلانِ جنگ کے مرتکب قرار دیئے گئے ہیں۔ (سورہ البقرہ۔ آیت ۲۷۹)۔

ضروری گذارش

ہمارا کام کچھ میدانِ جنگ والوں کی نوعیت کا ہے۔ پچھلے شمارے کا نقشہ یکایک تبدیل کر کے اسے شریعت بل نمبر بنا دیا۔ اب لکھے لکھائے پرچے کو تبدیل کر کے ۱۵ صفحے اہم عدالتی فیصلوں کے داخل کیے۔ نتیجہ یہ کہ اشارات متاثر، مقالات متاثر، مطبوعات متاثر۔ اشاعت میں تاخیر۔

کچھ ہم پریشان، کچھ آپ پریشان!

مگر میدانِ جنگ میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔

(ن۔ ص۔)